بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

وہ محکم چٹان جس کی بنا پر ایک قوم اپنی ہستی کو دنیا میں قائم رکھ سکتی ہے اور دنیا کی ہر اس رو کو جو اسے اپنے ساتھ بہالے جانے کے لیے آگے بڑھے ناکام و نامراد بنا دیتی ہے، اس قوم کی قوتِ ایمانی ہے۔ جس قدر یہ قوت زیادہ ہوگی، اسی قدر اس قوم کے اندر ہر سیلاب کے مقابلہ کرنے کی استعداد بھی زیادہ ہوگی۔ دنیا میں آج تک کوئی قوم ایسی نہیں گزری جس کی اجتماعی اور معاشرتی زندگی ایمان کی حرارت سے خالی ہو۔ تاریخ پر ایک عمومی نگاہ ڈالنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ قوموں کی بقا اور ترقی میں اس قوت نے بہت بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ کسی قوم کی زندگی اس کی قوتِ ایمانی سے وابستہ ہے تو یہ زیادہ صحیح ہوگا۔ یہ قوت نہ صرف ایک فرد کے اندر سعی و جہد کا ولولہ پیدا کرتی ہے بلکہ اس کی خوابیدہ صلاحیتوں کو بیدار کر کے انہیں ایک راہ پر لگاتی ہے۔ پھر اسی کی مدد سے افراد کے مابین مودّت اور اخوت کے رشتے استوار ہوتے ہیں اور اس طرح معاشرتی زندگی کی داغ بیل پڑتی ہے، اسی سے اجتماعی شعور کا ہیولیٰ تیار ہوتا ہے اور مختلف قومیں اور ملتیں جنم لیتی ہیں۔ اسی کی بدولت افراد اور اقوام میں عمل کی خواہش اور ترقی کی تڑپ پرورش پاتی ہے۔ یہ اسی قوت کا اعجاز ہے کہ لوگ ذاتی اغراض و منافع کی پرستش سے بلند ہو کر اجتماعی مفادات کی خاطر زندہ رہنا سیکھتے ہیں۔ جب یہ قوت ختم ہو جاتی ہے تو پھر قومیں صفحہ ہستی سے خود بخود مٹ جاتی ہیں اور کوئی خارجی سہارا انہیں زندگی عطا نہیں کر سکتا۔

یہ قوت چونکہ ایک قلبی کیفیت کا نام ہے اس لیے دنیا کی کسی غاصب قوم نے

جب بھی اپنے سامراجی عزائم کی تکمیل کے لیے ایک کمزور قوم پر دستِ ظلم دراز کیا تو اُس نے ایک لگے بندھے منصوبے کے تحت اس امر کی کوشش کی کہ کسی طرح مفتوح قوم کے فکر و نگاہ کو بدل دیا جائے کیونکہ اس کے تبدیل ہو جانے سے پھر اُس کا مقصد باسانی حل ہو سکتا ہے۔ "تیر و سناں" افراد کو موت کے گھاٹ تو اتار سکتے ہیں مگر قوموں کو فنا نہیں کر سکتے۔ قوموں کو دنیا سے نیست و نابود کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انہیں اس گنجِ گرانمایہ سے محروم کر دیا جائے جس کے بل بوتے پر اُن کا قومی تشخص برقرار رہتا ہے اور جس کے لٹ جانے کے ساتھ ہی وہ قومیں قومیں نہیں رہتیں بلکہ بے ضمیر انسانوں کی ایک ایسی بھیڑ بن جاتی ہیں جنہیں استعمار کی قوت جس طرف چاہتی ہے بے زبان جانوروں کی طرح بالکل میکانکی طور پر ہانک لے جاتی ہے

پھر امتِ مسلمہ کے حق میں اس "نسخۂ کیمیا" کو تو خاص طور پر آزمایا گیا ہے۔ وہ لوگ جو اس قوم کے مزاج سے واقف ہیں وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے ہیں کہ اس کی تشکیل و ترتیب میں خاک و خون کے مادی رشتوں اور خاندانی، قبائلی اور گروہی تعصبات اور نسلی یا ملکی مفادات کا قطعاً کوئی دخل نہیں۔ اس کی قومیت کی اساس محض ایک تنہا ہی تصور ہے جس کا تحقق ملتِ بیضا کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس بنا پر ایک تصور ہی یہاں ایک قوم کا مدارِ اعلیٰ اور جوہرِ حیات ہے۔ اسی سے زندگی کے مختلف چشمے پھوٹتے ہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک ایمان کی حیثیت محض ایک مجموعۂ افکار کی نہیں بلکہ یہ اس قوم کا مبدا اور اساس ہے۔ مسلمان جب تک مسلمان ہیں کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ مذہبی طرزِ خیال سے ہٹ کر کسی دوسرے طرزِ فکر کے مطابق کام کریں یا اجتماعی زندگی کی کوئی ایسی شکل گوارا کر لیں جو اُن کے مذہبی احساسات و تخیلات سے بالکل مغائر ہو۔ اگر دنیا کی کوئی قوم قوت و طاقت کے بل بوتے پر یا چالبازی اور عیاری کے سحر سے اس ملت کو دین سے برگشتہ کرنے میں کامیاب ہو جائے تو سمجھ لیجیے کہ اُس نے بازی جیت لی، کیونکہ دین کے رخصت ہو جانے کے بعد اس کا وجود بالکل بے معنی

ہو کر رہ جاتا ہے۔ چنانچہ دیکھیے کہ دنیا کی جن جن قوموں نے مسلمانوں کو زیر کرنا چاہا، وہ مدت بھر کے تجربے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچیں کہ ان کے ہاتھوں سے تیغ و سناں کا چھین لینا اس قدر ضروری نہیں جس قدر کہ اُن کے دل و دماغ سے متاعِ ایمان کی قیمت و اہمیت کو کم کر دینا ہے۔ دیگر ممالک اسلامیہ کا ذکر چھڑ گیا تو یہ داستان بڑی طویل ہو جائیگی۔ اس لیے سردست ہم صرف یہ دیکھیں گے کہ اس برصغیر کے مسلمانوں کی متاعِ ایمان کو ایک جنسِ کاسد ٹھہرانے کے لیے کیا تدابیر عمل میں لائی گئیں۔

غیر ملکی سامراج نے اس مقصد کے حصول کے لیے جو ضابطہ طے کیا اس کی پہلی شق یہ ہے کہ اس قوم کو معاشی حیثیت سے اتنا پامال کیا جائے کہ وہ اپنی قیمتی سے قیمتی متاع بھی منڈی میں بیچنے کے لیے مجبور ہو جائے۔ پھر اسے روٹی کا لالچ دے کر کہا جائے کہ تم اگر زندہ رہنا چاہتے ہو تو اس گراں بہا شئے کا بھی سودا کرو۔ ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر نے اپنی مشہور کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں ان حربوں کا قدرے تفصیل سے ذکر کیا ہے جو مسلمان کو مفلس اور قلاش بنانے کے لیے استعمال کیے گئے۔ وہ لکھتا ہے:

> "مسلمانوں کی دولت کے دو بڑے ذرائع یعنی فوج اور محکمۂ دیوانی کے متعلق ہم نے جو طرزِ عمل اختیار کیا ہے اگرچہ اُس کے جواز میں بہت سے دلائل موجود ہیں مگر اس میں کوئی شک نہیں کہ اس طرزِ عمل سے بنگال کے مسلمان گھرانے بالکل تباہ و برباد ہو گئے ہم نے مسلمان امراء کو فوج میں داخل نہیں کیا کیونکہ ہمیں یقین تھا کہ ہماری عافیت ان کو بے دخل کر دینے ہی میں ہے۔ ہم نے انہیں دیوانی کے منفعت بخش محکمہ سے اس لیے خارج کر دیا کیونکہ ایسا کرنا حکومت اور عوام کی بہتری کے لیے از حد ضروری تھا مگر یہ دلائل کتنے ہی وزنی کیوں نہ ہوں اُن پرانے نوابوں کو مطمئن نہیں کر سکتے جو برطانوی حکومت کی بے راہ روی کی وجہ سے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا رہے ہیں۔ فوج سے بیدخلی

مسلمانوں کے نزدیک سب سے بڑی بے انصافی ہے اور اُن کے پرانے نظام مالیات سے سچایا انحراف صریحاً وعدہ خلافی ہے "۔

"اُن کی عظمت کا تیسرا بڑا ذریعہ قانونی اور سیاسی یعنی دیوانی ملازمتوں کی اجارہ داری تھی۔ حالات و واقعات پر زور دینا ناواجب ہے لیکن پھر بھی سوچنا چاہیے کہ جتنے ہندوستانی سول سروس میں داخل ہوتے یا ہائی کورٹ کے جج بنتے ہیں اُن میں ایک بھی مسلمان نہیں۔ حالانکہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو اس سے کچھ عرصہ بعد تک بھی حکومت کے تمام کام مسلمانوں ہی کے ہاتھوں سرانجام پاتے تھے جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں۔ مسلمان کلکٹر ہی مالگزاری جمع کرتے تھے۔ مسلمان فوجدار اور کوتوال ہی پولیس کے افسر تھے "۔

"تمام نظام حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے ساری حکومت کی اجارہ دار تھی کم ہوتے ہوتے ایک اور تئیس رہ گیا ہے اور وہ بھی ان گزٹڈ ملازمتوں میں ہے جہاں تناسب کا خاص طور پر خیال رکھا جاتا ہے۔ پریذیڈنسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا حصہ قریب قریب معدوم ہو چکا ہے۔ ابھی پچھلے ہی دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان پڑھ سکے۔ دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان قلی، چپراسی یا دفتری یا قلم بنانے والے کی آسامی سے اوپر کسی اسامی کا متوقع نہیں ہو سکتا تھا "۔

یہ ہیں وہ حربے جن کی مدد سے اسی ڈاکٹر کے الفاظ میں "بتدریج اسلامی ہندوستان دارالحرب بنا دیا گیا اور ایک عظیم الشان روایات کی حامل قوم دنیا میں یوں بے وقعت کر کے رکھ دی گئی "۔ سلطنت چھن گئی۔ جماعت کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ اسلامی قوانین معطل ہوئے اسلامی تہذیب کو سہارا دینے والی تعلیم بھی باقی نہ رہی۔ ساری قوم جہالت کا شکار ہوئی۔ اس پر

مزید اس کو پیٹ کی مار دی گئی، معیشت کے دروازے اس پر ایک ایک کر کے بند کیے گئے۔ اس کو اُن لوگوں کے سامنے ذلیل و خوار کیا گیا جو کل تک خود اس کے محکوم تھے۔ اور اس کو ایک قلیل مدت کے اندر فقیروں اور خلانچوں کی قوم بنا کر رکھ دیا گیا۔ اس طرح مسلمان کے ایمان کی قیمت گرنا شروع ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ مارکیٹ میں ایک جنسِ فروختنی کی حیثیت سے آ گیا۔

مسلمان کے ساتھ یہ سلوک کچھ اس وجہ سے نہ تھا کہ ہندوؤں یا انگریزوں کے مقابلے میں اُن کی ذہنی استعداد کم تھی اور اُن میں امورِ مملکت چلانے کی صلاحیت نہ تھی۔ مسلمانوں کی ذہانت اور فطانت کا خود حاکم قوم کے سرکردہ لوگوں نے بھی اعتراف کیا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی۔ اس کے افراد نہ صرف جرأت اور قوتِ بازو رکھتے تھے بلکہ سیاسیات میں بھی سب سے ارفع و اعلیٰ تھے۔ لیکن اس کے باوجود مسلمانوں پر ملازمتوں کا دروازہ بند ہے۔ غیر سرکاری ذرائع میں انہیں کوئی نمایاں مقام حاصل نہیں۔"

(ہمارے ہندوستانی مسلمان)

"عزم، تعلیم اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ فائق ہیں اور ہندو اُن کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے ہیں۔"

(بغاوتِ ہند اور ہماری آئندہ پالیسی از ہنری ہرنگٹن طامس)

مسلمانوں کو اگر معاشی اعتبار سے تباہ حال کیا گیا تو اس کے پیچھے صرف یہی ایک ناپاک جذبہ کام کر رہا تھا کہ کسی طرح یہ لوگ پیٹ کی خاطر ایمان کو بھینٹ چڑھا دیں۔ اُمتِ مسلمہ پہلے تو اس پر قطعاً تیار نہ ہوئی اور ایک زبردست کشمکش کے ساتھ اس جنسِ گراں مایہ کی حفاظت اور پاسبانی کی مگر جب دنیا اپنی ساری وسعتوں کے باوجود اس پر تنگ ہو گئی اور اس کے افراد کے لیے جسم و روح کے رشتے کا قائم رکھنا ناممکن ہو گیا تو پھر سب سے پہلے اس نے اپنی عزتِ نفس

کو حاکم قوم کے قدموں میں لاڈالا۔ مسلمانوں کی بےکسی اور بےبسی کا اندازہ ذیل کی اس عرضداشت سے لگایا جا سکتا ہے جو افلاس سے مارے ہوئے ان مجبور انسانوں نے اڑلیسہ کے کمشنر کے سامنے پیش کی:

"ہز میجسٹی ملکہ معظمہ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ ملک کی سرکاری ملازمتوں میں ہمارا بھی مساویانہ حق ہے۔ اگر سچ پوچھیے تو اڑلیسہ کے مسلمانوں کو روز بروز تباہ کیا جا رہا ہے اور ان کے سربلند ہونے کی کوئی امید نہیں۔ مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر اب بالکل نادار ہیں اور ہمارا کوئی پُرسانِ حال نہیں۔ اب ہماری حالت ماہی بے آب کی طرح ہو رہی ہے مسلمانوں کی اس ابتر حالت کو ہم حضور کی خدمت میں اس یقین کے ساتھ پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں کہ حضور ہی اڑلیسہ کے ڈویژن میں ہز میجسٹی ملکہ معظمہ کے واحد نمائندے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ نسل و رنگ کے امتیاز سے بالاتر ہو کر ہر قوم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا۔ اپنی سابقہ ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیم قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رخ کرنے کے لیے تیار ہیں۔ ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کے لیے مستعد ہیں۔ ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصوں میں مارے مارے پھرنے کے لیے آمادہ ہیں بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں دس شلنگ (تقریباً ساڑھے سات روپے) ہفتہ کی ملازمت سے نوازا جائے گا۔"

اس عرضداشت کو بار بار پڑھیے اور دیکھیے کہ یہ عرضداشت کن لوگوں کی طرف سے پیش کی جا رہی ہے۔ وہ جن کے قدموں میں دنیا نے کبھی اپنے سارے خزانے لا کر ڈال دیئے مگر انہوں نے ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنا بھی گوارا نہ کیا، وہ جن کا دستِ سوال کبھی بھی کسی انسان کے سامنے دراز نہ ہوا تھا۔ وہ جن کی پیشانیاں مالک الملک کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنے نہ پاتی تھیں، وہ آج

ذلیل وخوار ہوکر ایک ظالم قوم کے حضور میں دادرسی کے لیے فریاد کر رہے ہیں اور اپنی اُس عزت نفس کا سودا کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتے ہیں جو ایمان کا ہی ایک لازمی جزو ہے۔

پیٹ کی مار دے کر ایمان سلب کرنے کے علاوہ انگریزوں نے مسلمانوں کے دین وایمان پر براہ راست ڈاکہ ڈالنے کی بھی بہت سی منظم کوششیں کیں اور ان میں سب سے کھلی ہوئی کوشش عیسائی مشنریوں کا قیام ہے۔ ابھی ایسٹ انڈیا کمپنی ایک تجارتی ادارے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی کہ سیرام پور میں سب سے پہلا مشن ولیم کیرے اور اس کے رفقاء کار کی زیر نگرانی قائم ہو گیا اور انہوں نے ۱۷۹۳ء میں یہاں سب سے پہلا کالج قائم کیا۔ اس وقت تک حالات کچھ اس قسم کے تھے کہ کمپنی اسے قرین مصلحت نہ سمجھتی تھی کہ ایسی جماعتوں کو علم کھلا اپنی سرپرستی میں لے لیا جائے جو اہلِ ہند کے جذبات کو مشتعل کرنے کا باعث ہیں۔ لیکن اس وقت بھی سرکار انگریزی کے پیش نظر یہی مقصد تھا کہ اس ملک کے رہنے والے لوگوں کو مذہب سے بیزار کر دیا جائے۔ چنانچہ آنریبل مسٹر الفنسٹن اور آنریبل الیف وارڈ اپنی اسی یادداشت میں جس میں انہوں نے حکومت کو اس بات کا مشورہ دیا ہے کہ اسے اس الزام کے رفع کرنے کے لیے کہ حکومت اہلِ ہند کا مذہب تبدیل کرنا چاہتی ہے کچھ کرنا چاہیے، یہ بھی فرمایا ہے:

> "میں علانیہ تو نہیں مگر درپردہ پادریوں کی حوصلہ افزائی کروں گا اگرچہ مجھے گورنر صاحب سے اس بارے میں اتفاق ہے کہ مذہبی امور میں امداد کرنے سے احتراز کیا جائے۔ تاہم جب تک ہندوستانی لوگ عیسائیوں کی شکایت نہ کریں تب تک ان کی تعلیم کے مفید ہونے میں ذرا شبہ نہیں، خواہ تعلیم سے ان کی آراء میں ایسی تبدیلی پیدا نہ ہو سکے کہ وہ اپنے مذہب کو لغو سمجھنے لگیں تاہم اس سے وہ زیادہ ایماندار اور محنتی رعایا تو ضرور بن جائیں گے۔"

اس طرزِ عمل کے پیش نظر اگرچہ مسلمانوں کو بالجبر عیسائی بنانے کا تو کوئی پروگرام طے نہ کیا

جا سکتا تھا مگر عیسائی مشنریوں کے اندھے جوش نے اُن کے اس کام کو "در پردہ" نہ رہنے دیا اور بلی جلد ہی تھیلے سے باہر آگئی۔ چارلس گرانٹ نے اپنی کتاب میں جو اشاعت تعلیم کے بارے میں لکھی تھی صاف کہا ہے:

"ہندوستانیوں کی اخلاقی حالت حد درجہ خراب ہے اور اس لیے ان کی سوسائٹی نہایت ذلیل و خوار ہے۔ ان خرابیوں کی اصلاح قانون کے نفاذ سے ہرگز نہیں ہوسکتی خواہ وہ قوانین کیسے ہی عمدہ کیوں نہ ہوں۔ دراصل تمام خرابیوں کی جڑ اُن کے مذہبی مراسم ہیں جن کی روح اُن کے قوانین میں موجود ہے اور اُن کے جھوٹے، ناپاک اور مضحکہ خیز مذہبی اصولوں میں مضمر ہے۔ ان تمام برائیوں کا واحد علاج یہ ہے کہ ہمارے علم کی روشنی ان لوگوں میں پہنچائی جائے جو تاریکی میں ہیں۔ بالخصوص ہمارے بانی مذہب کے خالص اور پاک اصول انہیں بتائے جائیں اس بارہ میں ہماری ذمہ داری اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ جس سچے مذہب سے ہم مستفیض ہوتے ہیں اسے دوسروں تک کیوں نہ پہنچائیں۔" (بحوالہ تاریخ التعلیم مصنفہ جسٹس سید محمود)

یہاں تک تو عیسائیت کا پرچار صرف "اصلاحِ حال" کے لیے تھا کیونکہ حاکم قوم یہ سمجھتی تھی کہ فساد کی جڑ اِن اہلِ ہند کے مذہب میں ہے اور جب تک اس جڑ کو کاٹ کر پھینکا نہیں جاتا اُس وقت تک یہ لوگ مہذب اور متمدن نہیں بن سکتے۔ لیکن کچھ مدت کے بعد اس ہمدردی کے جذبہ پر سے بھی پردہ چاک ہوا اور معلوم ہوا کہ عیسائیت کی تبلیغ کی غایت انسانی فلاح نہیں بلکہ ایک جارحانہ عزم ہے جسے نہ معلوم انگریزی قوم نے کتنی مدت سے سینے میں پال رکھا تھا۔ مینگلس نے ۱۸۵۷ء کے آغاز میں دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے صاف الفاظ میں کہا:

"خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیرِ نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح کی فتح کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیے اور اس میں کسی طرح تساہل نہ ہونا چاہیے۔"

(حکومت خود اختیاری) (باقی صفحہ ۶۴ پر)